ایک حدیث

فضائل قرآنی

(۲)

قرآن پاک کے فضائل کے سلسلے میں دوسری چیز یہ بیان کی گئی ہے کہ ھو الفصل لیس بالھزل یہ ایک حقیقت ہے۔ کوئی بےتکی بات نہیں۔ حدیث کے یہ الفاظ عین قرآن کی ترجمانی ہے۔ قرآن نے خود اپنے بارے میں جس حقیقت کا اعلان کیا ہے وہ یوں ہے۔ انہٗ لقول فصل وما ھو بالھزل یہ ایک فیصلہ کن بات ہے اور یہ مذاق نہیں۔ فصل اور ہزل کے دونوں لفظ یہاں دو نقیض کے طور پر استعمال ہوئے ہیں یعنی جو چیز فصل ہوگی وہ ہزل نہیں ہوگی۔ اور جو شے ہزل ہوگی وہ فصل نہیں ہو سکتی۔

یہاں فصل اور ہزل کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔ فصل ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان حائل و حاجز ہو۔ لہذا حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی چیز کو بھی فصل کہتے ہیں۔ اگر حق اور حق ایک ہی جگہ ہوں تو وہ ایک ہی حق ہوگا۔ اور دو باطل ہوں تو وہ بھی ایک ہی باطل ہوگا۔ فرق صرف وہاں پیدا ہوگا جہاں ایک طرف حق اور دوسری جانب باطل ہو۔ حق حق ہونے کی وجہ سے باطل سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ اس لیے خود حق کو بھی فصل کہتے۔ لہذا قول فصل کے معنی قول حق کے بھی ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جو حق ہوگا وہ باطل نہیں ہوگا۔

ہزل کے معنی مزاح (JOKE) کے بھی ہیں اور ہذیان کے بھی۔ اس کی نقیض ہے جِدّ۔ اگر کوئی شخص آج جنوری ۱۹۶۰ء میں کسی شخص سے کہے کہ "یار دنیا سے تو ہم تنگ آ گئے ہیں، چلو چاند پر ایک قطعہ الاٹ کرا کے وہیں رہیں۔" تو ظاہر ہے کہ کہنے والا خود سمجھتا ہے اور سننے والا بھی جانتا ہے کہ اس گفتگو میں کوئی سنجیدگی یا جِدّ (SERIOUSNESS) نہیں۔ نہ ایسا واقعی کوئی ارادہ ہے اور نہ اس کا سردست کوئی امکان ہے۔ لہذا یہ محض تفریحی یا مزاحی گفتگو ہوگی۔ اسے ہزل کہیں گے۔ اسی طرح اگر کوئی دیوانہ یا سرسام کا مارا کوئی گفتگو کر رہا ہو تو اس میں کہیں ربط ہوگا اور کہیں بے ربطی۔ لیکن ساری باتیں بکواس ہوں گی اور اسے بھی ہزل ہی کہیں گے کیونکہ اسے خود علم نہیں ہوتا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ ہزل کی ایک اور قسم بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ کلام نہایت مربوط ہوتا ہے، زبان شستہ ہوتی ہے۔ مضامین میں ندرت خیال ہوتی ہے۔ مگر اس سے زندگی کا کوئی مسئلہ حل کرنا مقصود

نہیں ہوتا صرف شاعرانہ تفریح مقصود ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے اگر ایک مصلح اپنی قوم سے کہتا ہے: دیکھو ناپ تول میں بے ایمانی نہ کرو ورنہ پورا معاشرہ تباہ ہو جائے گا۔ تو جو لوگ ناپ تول میں بے ایمانی سے اپنا کاروبار چلانے کے عادی ہو چکے ہیں وہ تو شاید اسے ہزل یا مذاق ہی سمجھیں گے۔ لیکن کہنے والا جو کچھ کہتا ہے وہ پوری صداقت اور سنجیدگی سے کہتا ہے۔ لہٰذا دراصل یہ ہزل نہیں بلکہ فصل ہے۔ حق ہے اور ایک سچی حقیقت ہے۔

قرآن نے جب اپنے تصورات پیش کئے اور اپنی اقدار عطا کیں تو دنیا اسے بکواس، ہذیان، مذاق اور ہزل سمجھتی تھی۔ مثلاً اس نے کہا کہ یہ بت کوئی طاقت نہیں رکھتے تو وہ لوگ جو صدیوں سے بتوں ہی کو حاجت روا سمجھے بیٹھے چونک پڑے اور توحید کے اس تصور کو غلط، باطل اور ہزل قرار دینے لگے۔ قرآن نے ایسے تمام لوگوں کو آگاہ کیا کہ کلام الٰہی ایک سچی، سنجیدہ، زندہ اور محکم حقیقت ہے۔ انه لقول فصل اس میں کوئی ٹیڑھ کجی نہیں۔ لم یجعل له عوجاً اس میں شک، شبہے خلش کی کوئی بات ہی نہیں۔ لاریب فیه یہ کوئی شاعری نہیں۔ وما هو بقول شاعر یہ کوئی بکواس، بے ربط کلام یا محض ہنسی مذاق کی بات نہیں۔

قرآن کے محکم حقیقت ہونے اور بے تکی بات نہ ہونے کی سب سے بڑی اور زندہ شہادت وہ انقلاب انگیز معاشرہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوا۔ تاریخ کے بے شمار مسلمات غلط ثابت کئے جا سکتے ہیں اور موجودہ علمی ریسرچ کے دور میں بیسیوں مسلمات بے حقیقت اور بے اصل ثابت ہو چکے ہیں لیکن یہ حقیقت کبھی جھٹلائی نہ جا سکے گی کہ رسول آخر الزماںؐ نے جو اعلیٰ ترین امت تیار کی اسے دنیا نے اور سورج کی آنکھ نے ایک ہی بار دیکھا۔ اس انقلابی تعلیم کا منبع و مصدر کیا تھا؟ یہی قرآن اور معلّم قرآن؟ یہی قرآن تھا جس نے ایک بے راہرو امت کے ذہن، کردار اور تصورات میں بے مثال انقلاب پیدا کر دیا۔ اگر یہ کلام خاکم بدہن ہزل ہوتا تو محمدؐ جیسا عظیم ترین انسان اسے قبول ہی کیوں کرتا اور اگر قبول کرتا تو کیا ایک گھٹیا قسم کے کلام کے ذریعے اتنی بلند امت کی تخلیق کسی طرح بھی ممکن ہو سکتی تھی؟ اس کتاب کے ذریعے اتنی عظیم الشان امت کا وجود میں آنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن ہزل نہ تھا۔ ہزل نے کبھی دنیا میں کوئی انقلاب برپا نہیں کیا اور نہ ہزل میں اس کی صلاحیت ہے۔ انقلاب بھی ایسا کہ دل و دماغ۔ عمل۔ تصورات۔ طرز زیست اور انداز فکر سب کا سب یکسر بدل جائے۔ یہ وصف ہزل میں ممکن ہی نہیں۔ یہ شرف صرف قول فصل کو حاصل ہے۔ دنیا کی کوئی کتاب بھی ایسی نہیں کہ از ابتدا تا انتہا سراپا فصل ہو اور اس میں ہزل کا کہیں شائبہ تک نہ ہو۔

یہاں قدرتاً ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن ایسا ہی قول فصل ہے تو اب وہ انقلاب امت کیوں نہیں پیدا ہوتا جو صدر اول میں ہوا تھا؟ یہ امت زوال پذیر کیوں ہے؟ اگر انقلاب کے لیے یہ ایک

پیغمبر کا محتاج ہے تو ختم نبوت کیسا؟ اور اگر نبی کے بغیر قرآن وہ انقلاب نہیں لا سکتا تو یہ قرآن کا کونسا کمال ہوا جو اسے قول فصل کہا جاتے؟ سوال اہم ہے لیکن جواب کو خوب سمجھ لینا چاہیئے۔ اب نبی کوئی نہیں آئے گا لیکن حامل قرآن ضرور آ سکتے ہیں۔ وہ آتے رہے اور آتے رہیں گے۔ ہر حامل قرآن نے کوئی نہ کوئی جزئی انقلاب برپا کیا۔ کوئی حامل قرآن کلی انقلاب بھی برپا کر ہی دے گا۔ اگر موجودہ امت محمدیہ اسے قبول کرتی ہے تو کرے ورنہ اس کو قبول کرنے والی امتوں کی کمی نہیں۔ موجودہ امت کا زوال اس لیے نہیں کہ قرآن قول فصل نہیں ہے بلکہ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ امت نے اسے فصل کی بجائے کچھ ہزل سا بنا رکھا ہے۔ یہ ایک بڑی تلخ حقیقت ہے لیکن کیا کیا جائے کہ واقعہ کچھ ایسا ہی ہے۔ قرآن کو فصل اور محکم حقیقت مان لینے کے دعوے کے ساتھ اس کے مقصد کو بدل دینا یا اس کی گردن پر کسی اور چیز کو سوار کر دینا ہزل کے سوا اور کیا ہے؟ مقاصد قرآن اب اس کے سوا اور کیا ہیں کہ اسے بے سمجھے پڑھ کر "ثواب" حاصل کر لیا جائے یا اس ثواب کو کسی مردے کے نام پارسل کر دیا جائے یا اس سے تعویذ گنڈوں کا کام لیا جائے یا عملیات کا مصرف لیا جائے یا قسم کھانے کے لیے استعمال کیا جائے۔ کیا یہ سب کچھ ہزل ہی کی ایک شکل نہیں؟ پھر آگے چلئے قرآن کی واضح تعلیم سامنے ہوتے ہوئے اس کے مقابلے میں کسی بزرگ کا کشف، کسی صوفی کا قول۔ کسی امام کا فتویٰ۔ یا کسی کتاب کی روایت پیش کرنا کیا بجائے خود ایک ہزل کی صورت نہیں؟ پس جب زبان سے فصل ہونے کے اقرار کے ساتھ عملاً ہزل کی شکل اختیار کر لی جائے تو کون کہہ سکتا ہے کہ ایسی امت میں یہ کتاب انقلاب برپا کرے گی۔ یہ انہیں لوگوں کے ذہن و عمل میں انقلاب پیدا کرتی ہے جو اسے واقعی قولاً و عملاً قول فصل تسلیم کر لیں اور اگر دل اور زبان میں، یا زبان اور عمل میں منافقانہ تضاد ہو تو اس کا اثر لازماً وہی ہوگا جس کا ذکر اسی روایت میں آگے یوں ہے کہ:- من ترکه من جبار قصمه الله ومن ابتغی الهدی فی غیره اضله الله جو اسے عبث سمجھ کر چھوڑ بیٹھے گا اسے خدا ہلاک کرے گا اور جو اس کے سوا کسی اور جگہ ہدایت کی جستجو کرنے گا اسے خدا گمراہی میں ڈالے گا۔

کتنی سچی حقیقت ہے اور کس قدر مطابق قرآن ہے۔ خود قرآن نے امت کے خلاف رسولؐ کی جو فریاد نقل کی ہے وہ یوں ہے کہ: اتخذوا هذا القرآن مهجورا اس امت نے قرآن کو ہذیان بنا رکھا تھا۔ ذرا سوچئے کیا یہ وہی ہزل نہیں جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ پس جب فصل کو ہزل اور کتاب کو ہجر (ہذیان) بنا کر رکھ دیا جائے تو "ترک" ہی کا مرادف ہوگا اور تارک کے لیے اس روایت میں جو کچھ ارشاد ہوا ہے وہ آپ دیکھ چکے کہ من ترکه من جبار قصمه الله جو اسے عبث سمجھ کر چھوڑ دے اسے خدا ہلاک کر دیتا ہے۔

اسے یوں سمجھئے کہ ہر دوا ایک افادی اثر رکھتی ہے لیکن کب؟ اس وقت جب کہ اسے استعمال کیا جائے اور صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے۔ اگر اسے استعمال ہی نہ کیا جائے تو اثر بھی کوئی نہ ہوگا اور اگر غلط طریقے سے استعمال ہو تو اثر الٹا ہوگا۔ اور یہی شکل قرآن کی بھی ہے۔ اگر اس کا صحیح استعمال ہوگا تو مفید نتائج برآمد ہوں گے اور اگر استعمال ہی غلط ہو تو مضر نتائج سامنے آئیں گے۔ لہٰذا آج اگر امت مسلمہ زوال یافتہ ہو گئی ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ قرآن قول فصل نہیں رہا یا بغیر کسی نبی کے یہ انقلابی اثرات نہیں دکھا سکتا۔ بلکہ اس کا سبب صرف یہ ہے کہ حاملین قرآن نہیں رہے اور جو حاملین قرآن آئے بھی وہ جزئی قسم کے حامل ثابت ہوئے۔ امت مجموعی حیثیت سے قرآن سے یا تو بے تعلق رہی یا اپنے تعلق کا انداز غیر صحیح طریقے پر رکھا ورنہ:

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

یہ حقیقت کہ قرآن قول فصل ہے اور ہزل نہیں ہمیشہ باقی رہے گی۔ اگر آج کوئی کہے کہ ورزش صحت کے لیے بہت مفید ہے تو یہ ایک حقیقت ہوگی اور ہمیشہ صحیح بات ہوگی۔ یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ: اگر یہ بات درست ہے تو اتنے لوگ بیمار کیوں ہوتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ بیمار اس لیے ہوتے ہیں کہ وہ ورزش نہیں کرتے یا کرتے ہیں تو اس کی شرائط نہیں پوری کرتے یا اس کو غلط طریقے سے عمل میں لاتے ہیں۔ اگر کوئی کھانا کھا کر ورزش کرے یا الٹی سیدھی بے قاعدہ ورزش کرے یا اعتدال سے کم و بیش ورزش ہو یا ورزش کے ساتھ دوسرے مضرت رساں کام بھی کرے تو ظاہر ہے کہ یہ ساری ورزشیں مضر ہی ہوں گی مفید نہیں ہوں گی۔ یہی حال اس کتاب اللہ کا ہے۔ یہ قول فصل ہے اور ہر آن اپنے اندر قوت انقلاب رکھتی ہے۔ لیکن اگر اس سے بے تعلقی ہوتی جائے یا دل، زبان اور عمل میں تضاد ہو یا اس کا استعمال صحیح نہ ہو تو کمال کی بجائے زوال ہی پیدا ہوگا۔ یہی وہ مضمون ہے جسے قرآن نے یوں کہا ہے کہ یضل بہ کثیراً و یھدی بہ کثیراً۔ قرآن تو پانی کی طرح خدا کی ایک بے بہا نعمت ہے۔ لیکن یہ پانی اپنے اندر دو متضاد صلاحیتیں رکھتا ہے۔ یہ تیرا بھی سکتا ہے اور ڈبو بھی سکتا ہے۔ اب یہ اپنا کام ہے کہ تیر کر نکل جائیں یا ڈوب جائیں۔ قرآن کی بھی یہی صورت ہے۔ جو اسے اپنی زندگی کا جزو بنائے گا اسے وہ تیرا کر پار اتار دے گا۔ یھدی للتی ھی اقوم اور جو اسے عبث سمجھ کر چھوڑ دے گا ہلاک ہوگا

اس حدیث میں آگے کا جملہ بڑا غور طلب ہے۔ یعنی من ابتغی الھدی فی غیرہ اضلہ اللہ جو غیر قرآن میں ہدایت چاہے گا خدا اسے گمراہ کر دے گا ـــــ خدا کو اپنے بندوں کو گمراہ کرنے کا کوئی شوق

نہیں۔ وہاں تو یہ اصول ہے کہ نولّہٖ ما تولّٰی جدھر انسان اپنے ارادے سے جانا چاہے اسی طرف خدا بھی لے جاتا ہے۔ انسان اگر خود ہی غلط راستے پر چلنے لگے تو اسی راستے پر خدا چلاتا ہے۔ کیونکہ خدا جبراً کسی کو کسی راستے پر نہیں لگاتا۔ لا اکراہ فی الدین۔ گمراہی کیسے آتی ہے؟ اسی کو یہاں حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جب قرآن کو چھوڑ کر کسی اور کتاب یا انسان یا کسی اور شے سے ہدایت طلب کی جائے گی تو اس کا نتیجہ بجز گمراہی کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی اور جگہ ہدایت ہے ہی نہیں۔ بلکہ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ جہاں جو کچھ بھی ہے اگر وہ مطابق قرآن ہے تو ہدایت ہے اور اگر قرآن کے خلاف ہے تو وہ گمراہی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اپنے لیے جو کچھ بھی ہدایت طلب کرنی ہو وہ قرآن ہی سے کرنی چاہیئے۔ البتہ اس کی تشریح کے لیے دوسری چیزوں سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔ دیکھنا صرف یہ ہوگا کہ وہ قرآنی اسپرٹ کے مطابق ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو وہ بھی ہدایت ہے ورنہ گمراہی ہے خواہ وہ کہیں ہو۔ ہر چیز کی صحت و سقم پرکھنے کی کسوٹی صرف قرآن ہے۔

گلستان حدیث

مصنفہ محمد جعفر پھلواروی

چالیس منتخب احادیث نبوی کی تشریح جس کے ہر مضمون کی تائید میں دوسری احادیث اور قرآن کریم کی آیات سے ان کی مطابقت نہایت دلکش انداز سے پیش کی گئی ہے۔ انداز نگارش اچھوتا اور تشریحات جدید افکار و اقدار کی روشنی میں کی گئی ہیں۔ کاغذ و طباعت عمدہ۔ جلد مع گرد پوش۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے۔

ملنے کا پتہ:

سکریٹری ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور